

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

دیکھیے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض؟

بھارت سے دوستی کی بے تلبی اور ملت اسلامیہ پاکستان کے حقیقی مفادات

خورشید احمد

دیوار برلن کے گرنے اور روس کی اشتراکی سوپر پاور کے منتشر ہو جانے سے تبدیلی کی جولاہیں رونما ہوئی ہیں وہ ابھی تک بے تب و مضرب ہیں اور ہٹاؤ اور ہکاؤ کا ایک ہنگامہ خیر عمل برابر رواں دواں ہے اور نہ معلوم یہ سلسلہ کب تک جاری رہے۔

قدرت کا قانون ہے کہ ایک دروبست کے بگڑنے سے حالات اس وقت تک متلاطم رہتے ہیں جب تک نیا انتظام وجود میں نہیں آجاتا۔ دس سال قوموں کی زندگی میں کوئی بڑا عرصہ نہیں لیکن اقتدار اور بلا دستی کی نئی جنگ نے ان دس برسوں میں جو گل کھلائے ہیں اور مظلوم انسانیت اس کی جو قیمت ادا کر رہی ہے وہ ہوش ربا ہے۔ دنیا کے ہر حصے میں توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہے۔ برصغیر اور مشرق اور وسطی ایشیا کی سیاست، معیشت اور ثقافت بھی اس تصادم اور متلاطم کی خصوصی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔ سیاسی قوتوں کے نشیب و فراز، عسکری اور سیاسی جنگوں میں فتح و شکست، معیشت کے اتار چڑھاؤ، قیادتوں کی تبدیلی، انقلابات کی آمدورفت، اگر ایک طرف تبدیلی کے اس عمل کی علامتیں ہیں تو دوسری طرف ان میں مستقبل کی تعمیر کے فکر مندوں کے لیے بڑی روشن نشانیاں اور بیش بہا قابل توجہ امکانات اور مواقع ہیں۔ قرآن پاک کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ تبدیلی اور تغیر کے اس ظاہری تماشے کے پیچھے ایک عظیم مقصدی عمل بھی جاری و ساری ہوتا ہے جس سے اگر فائدہ اٹھایا جائے تو تاریخ کا رخ بدل سکتا ہے اور اگر ان مواقع کو ضائع کر دیا جائے تو کف افسوس ملنے کے سوا بہت سوں کے مقدر میں کوئی اور چیز نہیں آتی۔

وَلَوْلَا دَفَعُ اللّٰهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ لُوَفُّوْضِلٍ عَلٰی الْعٰلَمِیْنَ

(البقرہ ۲۵۳)

اگر اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے سے ہٹاتا رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا، لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے (کہ وہ اس طرح دفعِ فساد کا انتظام کرتا رہتا ہے)۔

قوموں کی باہمی عداوت اور دشمنی کا ذکر کرتے ہوئے ارشادِ ربّانی ہے:

كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمَفْسِدِينَ
(المائدہ ۵: ۶۳)

جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اس کو نھنڈا کر دیتا ہے۔ یہ زمین میں فساد پھیلانے کی سعی کر رہے ہیں مگر اللہ فساد برپا کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

نیز ارشاد ہوتا ہے:

وَتِلْكَ الْآيَاتُ نُنَادِیٰ وَلَهَا بَیِّنَاتٌ لِّلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ
الظَّالِمِينَ (ال عمران ۳: ۱۳۰)

یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں (تم پر یہ وقت اس لیے لایا گیا) کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی (راستی کے) گواہ ہوں۔ کیونکہ اللہ ظالم لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

ان ارشاداتِ ربّانی کی روشنی میں برصغیر میں رونما ہونے والے حالیہ واقعات پر بصیرت کی نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہے تاکہ ذاتی رجحانات، عاجلہ مفادات، بیرونی اثرات اور کوتاہ اندیشی پر مبنی مفروضات سے ہلا ہو کر ملت اسلامیہ پاکستان کے حقیقی مقاصد اور اہداف کے مطابق فیصلے اور عملی اقدام کیے جاسکیں۔

بھارت میں ہندو انتہا پرستی کا جو رجحان حالیہ انتخابات کے بعد ایک غالب قوت کی صورت میں سامنے آیا ہے حقیقت میں وہ اتنا نیا نہیں ہے۔ اس کی جڑیں بھارت کی پانچ ہزار سالہ تاریخ میں پھوسٹ ہیں۔ خصوصیت سے پچھلی دو صدیوں میں تو ہندوؤں کی تمام اہم فکری، مذہبی، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں میں اس رجحان کو صاف دیکھا جاسکتا ہے۔ یہی وہ رجحان ہے جس نے سرسید احمد خان سے لے کر قائد اعظم محمد علی جناح تک ہر مسلمان رہنما کو ”ہندو مسلم اتحاد“ کے پر فریب ہدف کو ترک کرنے پر مجبور کیا اور بالآخر توجہ کا مرکز عقیدہ اور تہذیب و ثقافت بنے۔ اسی بنیاد پر آزادی کے بعد دو مملکتوں کے قیام کی صورت میں ایک نئے دور و بست کو مرتب کیا گیا۔ پچھلے پچاس سال گواہ ہیں کہ امت مسلمہ نے تو کھلے دل سے اس نظام کو تسلیم کیا لیکن بھارت کی ہندو اکثریت اور اس کی سیاسی قیادتوں نے اس کو فی الحقیقت کبھی قبول نہیں کیا۔ اس کے حقیقی عزائم پر ایک عرصے تک ڈپلومیسی اور منافقت کا پردہ پڑا رہا لیکن تب کے؟ بالآخر آہستہ آہستہ یہ پردہ

چاک ہو گیا اور ۱۹۹۲ میں باہری مسجد کی شہادت اور اس کے بعد ۱۹۹۶ اور ۱۹۹۸ کے ملک گیر انتخابات نے اس امر کو اس طرح الم تشریح کر دیا کہ اب دوست اور دشمن سب ہی ہندو انتہا پسندی کے اس غلبے کا اعتراف کر رہے ہیں، بجز خوش فہمی کے ان اسیروں کے جو آنکھیں ہوتے ہوئے بھی دیکھنے کی زحمت نہیں کرتے!

برصغیر ہی نہیں پوری دنیا میں امن و سلامتی ہر مسلمان بلکہ ہر ہوش مند انسان کی خواہش اور تمنا ہے، لیکن امن و سلامتی محض خواہش سے حاصل نہیں ہوتے۔ اس کے لیے حقائق پر نظر اور مطلوب و مقصود کے حصول کو ممکن ہی نہیں ناگزیر بنا دینے کے لیے موثر حکمت عملی اور ان پر پوری قوت سے عمل ضروری ہے۔ امن اور سلامتی، بزدلی، کمزوری، ڈپلومیسی یا چالپوسی سے حاصل نہیں ہوتے۔ یہ تو شہرہ ہیں مقصد اور اہداف پر استقامت، تعمیر و تخلیق کے لیے موثر قوت کے حصول اور اپنی آزادی اور عزت کی حفاظت کے لیے قرار واقعی تیاری اور لام ہندی کا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے امت مسلمہ کی رہنمائی صاف الفاظ میں صحیح حکمت عملی کی طرف کر دی ہے:

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَابِ الْخَيْلِ تُرْهَبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَالْخَيْرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَمِنْ سَبِيلِ اللَّهِ يُوفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝ (الانفال: ۸: ۶۰)۔

اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے میا رکھو تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعدا کو خوف زدہ کر دو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہو گا۔

اور یہی وہ حکمت عملی ہے جس کی شاعر مشرق علامہ اقبال نے بڑے صاف اور دل نشین انداز میں امت مسلمہ کو تعلیم دی۔

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
 ترا زجاج ہو نہ سکے گا حریف سنگ
 یہ زور دست و ضربت کاری کا ہے مقام
 میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ
 خونِ دل و جگر سے ہے سرمایہٴ حیات
 فطرت ہو ترنگ ہے غافل! نہ جل ترنگ

نیز فرمایا۔

افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات
تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم فضیلتی کی سزا مرگ مغالطہ!

ایک صاحب ایمان، حامل شریعت اور باعزت قوم کی خارجہ اور داخلی سیاست مندرجہ بالا بنیادوں سے ہٹ کر کسی دوسری بنیاد پر استوار نہیں ہو سکتی اور نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن ہماری سیاسی قیادت جسے پاکستان کی بنی جماعت کی وراثت کا دعویٰ ہے اور ایک بہت بھاری عوامی مینڈیٹ کی کلنی بھی سمجائے ہوئے ہے کس طرح بھارت کی ہندو انتہا پسند قیادت سے دوستی کے لیے بے چین اور مضطرب ہے، اس کے بارے میں خوش فیروں کا مظاہرہ کر رہی ہے اور امریکہ کی اشریہ اور جناب اٹل بھاری واجپائی کی ”اعتدال پسندی“ اور ”دوست نوازی“ کی ریت پر امن اور دوستی کے عمل تعمیر کرنے کے خواب دیکھ رہی ہے اس پر خیرت ہی نہیں وحشت ہوتی ہے۔

بچوں سے تمہ کو امیدیں، خدا سے نو میدی
مجھے بتا تو سہی، اور کافری کیا ہے

اللہ پاکستان کے لیے بحیثیت قوم، اس وقت سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ حقائق کا صحیح صحیح اور اک کیا جائے اور خوش فیروں اور فیروں پر انحصار کی خیالی دنیا سے لٹکا جائے۔ بلاشبہ ہمارے پاؤں زمین پر ہونے چاہئیں اور ہمیں چلنا دیکھ کر ہی پاؤں پھیلانے چاہئیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ نہ دنیا کے حالات اور مخالفین کی چالوں کا لحاظ ہو اور نہ اپنے مقاصد اور عزائم کا شعور اور ان پر استقامت۔ حالات کی صحیح تفہیم، وسائل کا صحت مند استعمال، قوم کی بیداری اور تعمیر اور مقابلے کے اس عمل میں بھرپور شرکت ہی سے بازی سر کی جاسکتی ہے۔ یہی ہماری بقا اور ترقی کا راستہ ہے۔

۱۔ عالمی سطح پر اس حقیقت کا اور اک بے حد ضروری ہے کہ امریکہ کی ساری کوشش پوری دنیا پر اپنی سیاسی، معاشی، عسکری اور ثقافتی بالادستی اور تسلط قائم کرنا ہے۔ مسئلہ محض دوستی اور تعاون کا نہیں۔ دوستی اور تعاون تو سب کے دل کی آواز ہے لیکن اس سے کیسے صرف نظر کیا جائے کہ آج کی واحد سوپر پاور کا منصوبہ محض دوستی کا نہیں بلادستی اور تسلط قائم کرنے کا ہے جس کا انحصار کھلے اور چھپے سابق صدر جارج بش اور ان کی ٹیم سے لے کر صدر کلنٹن اور ان کے مشیروں کے ارشادات سے ہو رہا ہے۔ تازہ ترین

اعلان سی ٹی بی ٹی (CTBT) کے سلسلے میں کلٹنن انتظامیہ کا ہے جس پر لندن کے روزنامہ گارڈین (The Guardian) نے اپنی ۷ اپریل ۱۹۹۸ء کی اشاعت میں اوارٹی نوٹ کی شکل میں یہ تبصرہ کیا ہے:

لیکن اس کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ اس معاہدے کے بارے میں بڑے پیمانے پر اضطراب اور بے اعتمادی پائی جاتی ہے اور یہ سمجھا جا رہا ہے کہ سارا کھیل صرف پانچ نیوکلیئر ملکوں کی ہلاستی اور استیلا کو سند جواز فراہم کرتا ہے۔ کلٹنن انتظامیہ نے تو صاف کہا ہے کہ اس معاہدے کا مقصد دوسرے ممالک کو نیوکلیئر ہتھیار حاصل کرنے سے روکنا ہے تاکہ پوری دنیا کے لیے امریکہ کی قیادت و اشکاف ہو جائے۔ اسی طرح امریکہ کی قومی سلامتی کونسل کے اسلحے کے ڈائریکٹر روبرٹ ہیل نے کہا ہے کہ ”معاہدے کا مقصد بم کا خاتمہ نہیں صرف ہانگ (Bang) کا خاتمہ ہے (یعنی دوسرے یہ تجربہ نہ کر سکیں)“

۲- علاقائی طور پر دوسروں کو جو خطرہ تسلی دی جائے، اس سے قطع نظر، امریکہ کا واضح ہدف چین کے گرد حصار تنگ کرنا اور ایشیا میں متبادل عالمی قوتوں کے ابھار کو روکنا ہے، خصوصیت سے چین، جاپان اور ملت اسلامیہ کے لیے بھارت کو ایک مقابلے کی ایشیائی طاقت بنانا اس منصوبے کا اہم حصہ ہے۔ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک پاکستان بھارت کی ہلاستی کو، کسی نہ کسی عنوان سے، خولہ وہ عنوان علاقائی تعاون اور دوستی ہی کیوں نہ ہو، قبول نہ کر لے۔

۳- علاقائی سطح ہی پر دوسرا ہدف مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کو اتنا مضبوط کر دینا ہے کہ وہ پوری عرب دنیا ہی نہیں پوری اسلامی دنیا پر قابو پاسکے۔۔۔ عسکری اعتبار سے ان پر حلوی ہو اور محض قوت کے بل پر امن کا ڈھونگ رچا کر معاشی اعتبار سے پوری عرب اور اسلامی دنیا کو اس کی گرفت میں لایا جاسکے۔ پھر بھارت اور اسرائیل، جن میں عسکری، سیاسی، معاشی، تحقیقی، جاسوسی غرض ہر سطح پر باہمی گہرا تعاون ہے، مل کر اس پورے علاقے کے نمبردار ہوں اور اس طرح خود اپنے اور امریکہ کے مقاصد کو پورا کر سکیں۔

۴- علاقائی سطح ہی پر اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مسلم ممالک اور عرب ممالک میں کوئی حقیقی اتحاد قائم نہ ہو سکے۔ یہ آپس میں دست و گریب رہیں اور ان کے وسائل سے دوسرے پورا پورا فائدہ اٹھاتے رہیں تاکہ یہ وسائل خود علاقے کے لوگوں کی خوشحالی اور ایک طاقتور مسلم ہلاک کے وجود میں آنے کے لیے استعمال نہ ہو سکیں۔

۵- خود بھارت کو اپنی گرفت میں رکھنے کے لیے ایسے حالات کی حوصلہ افزائی ہو کہ ملک گیر سیاسی قوتیں کمزور اور علاقائی جماعتیں مضبوط ہوں تاکہ ان قوتوں کو مختلف انداز میں بطور آلہ کار (leverage) استعمال کیا جاسکے۔ نیز ملک میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کا عمل دخل بڑھے جو مستقبل میں پالیسیوں پر اثر انداز ہو

سکیں۔

۶۔ پاکستان میں ان قوتوں کی حوصلہ افزائی ہو جو ایک طرف پاکستان کی منڈیوں کو امریکی اور یورپی سرمائے اور مصنوعات کے لیے کھول دیں، دفاع کے وسائل کو کم کرنے کے لیے تیار ہوں، نیوکلیئر قوت کو مغربی ممالک کے حکم کے مطابق نکیل دینے کے لیے آمادہ ہوں، مغربی ثقافت و تہذیب کے دلدادہ ہوں اور بھارت سے معاشی، ثقافتی اور سیاسی دوستی ہی نہیں، اتحاد اور الحاق تک کے لیے صف بستہ ہو سکیں۔ مسئلہ کشمیر کو نمٹانے (liquidate) کے لیے کوئی اوسلو ٹاپ، یا آئرلینڈ کے ماڈل پر کھیل کھیلا جائے۔ پاکستان کو عرب دنیا، وسط ایشیا اور عالم اسلام سے، جو اس کا فطری مقام ہے، کاٹ کر، بھارت اور جنوبی ایشیا سے جوڑا جائے جس سے کٹ کر یہ ملک وجود میں آیا تھا۔ افغانستان اور ایران سے فاصلے بڑھائے جائیں، جنوبی ایشیا اور سارک کی زنجیروں کو مضبوط کیا جائے اور پاکستان اور چین کی دوستی میں شکاف ڈالا جائے۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان میں آزاد خیالی کے نام پر سیکولرزم اور بھارت سے مشترک ثقافت، تہذیب، ادب اور معیشت کا پرچار ہو، نیز آزادی نسواں (feminism) کی تحریک کو مغربی ثقافتی انداز میں آگے بڑھایا جائے تاکہ خاندان کا حصار پارہ پارہ ہو جائے، نئی نسل کو لسانیت، طبقہ واریت، تشدد، منشیات اور عیش و عشرت کی راہ پر ڈالا جائے، تعلیم اور انسانی وسائل کی ترقی کے نام پر فوج کی تخفیف (down-sizing) ہو (لطف یہ ہے کہ بیرونی قرض اور ان پر ادا کیا جانے والا سود بجٹ کی کل آمدنی کا ۵۰ فی صد کھا جاتا ہے مگر اس کا کوئی ذکر نہیں اور بڑے بڑے ماہرین معاشیات اور سابقہ وزراء نے خزانہ جو قرضوں کے اس پہاڑ کا بوجھ مفلس قوم کے کندھوں پر لادنے کے ذمہ دار رہے ہیں، دفاع پر خرچ ہونے والی رقوم کو، جو ادا کیے جانے والے سود کا اب نصف حصہ ہیں، اصل ہدف بنائے ہوئے ہیں)۔ اس حکمت عملی کا ایک اہم حصہ نیوکلیئر قوت سے پاکستان کو محروم کرنا ہے لیکن اس کی سابقہ کوششوں میں ناکامی کے بعد اب ایک نئی حکمت عملی وضع ہوتی نظر آ رہی ہے جس کے بارے میں ہمیں خطرہ ہے کہ صدر گلگنڈن کی متوقع تشریف آوری کے موقع پر سی ٹی وی پر کسی نہ کسی شکل میں پاکستان اور شاید بھارت کی بھی شرکت کا اہتمام کیا جائے۔

یہ چھ نکاتی پلان ہے جس پر مغربی اقوام عمل پیرا ہیں۔ اب دیکھیے کہ اس میں بھارت کی حالیہ تبدیلیوں کا کیا مقام ہے اور حکومت پاکستان اس ملک کو کس رخ پر لے جانا چاہ رہی ہے۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کا قیام بظاہر ۱۹۸۰ میں ہوا اور ۱۸ سال میں وہ سیاسی اقتدار پر تقریباً چھا گئی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندو انتہا پسندی کی تحریک انیسویں صدی کے آغاز ہی سے پروان چڑھ رہی ہے۔ ۱۸۲۰ میں پہلی تحریک وجود میں آئی۔ اس طرح کانگریس کے شانہ بہ شانہ ہندو سبھا (۱۹۰۷) اور پھر ہندو ماسابھا (۱۹۱۸) اپنا

کردار ادا کر رہی تھی۔ راشٹریہ سیوک سنگھ کا قیام ستمبر ۱۹۲۵ میں ہوا اور اس سے پہلے ۱۹۲۳ میں ہندو انتہا پسند رہنما سلور کر (V.D. Savarkar) نے انتہا پسندی کے فلسفہ کو ہندووتا (Hindutva) نامی کتابچے میں پیش کیا جو آج تک اس تحریک کی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا حصول خود بی بی جے پی کا اصل ہدف ہے۔ سلور کر کا یہ کتابچہ رگ وید (Rig Veda) پر مبنی ہے اور اس کی رو سے ہندو وہ ہے جس کو پیدائش اور زمین کے مقدس رشتے جوڑے ہوئے ہوں۔ اس نظام میں ہندو اور ہندوستان۔ مقدس ماور وطن۔ پترو بھو (Pitru bhū) اور پونیا بھو (Punya bhū)۔ روح اور جسم کا سا تعلق رکھتے ہیں۔ مقدس زمین کو تین مقدس دریاؤں یعنی دریائے سندھ، گنگا اور برہم پوترا نے گھیرا ہوا ہے۔ سلور کر نے خود ہندو مہاسجا میں مرکزی کردار ادا کیا۔ اس نے اور ہیگ وار (K.B. Hedg War) نے جو سلور کر کے تصور ہندووتا پر ایمان رکھتا تھا اور ان کا مبلغ بنا، راشٹریہ سیوک سنگھ کی داغ بیل ڈالی۔ ستمبر ۱۹۳۵ میں دسرے کے ہندو تہوار کے موقع پر جو راون پر کرشنا کی فتح کی علامت ہے، پہلا سیوک (sevak) ناگ پور کے مقام پر قائم ہوا اور پھر تیزی سے یہ نیم عسکری تحریک بڑھتی رہی۔ دو مرتبہ بندش بھی راہ کھوٹی نہ کر سکی اور آہستہ آہستہ راشٹریہ سیوک سنگھ ہندو انتہا پسندی کی ریزہ کی ہڈی بن گیا۔ آر ایس ایس نے ۱۹۸۹ میں دعویٰ کیا تھا کہ اس کے دائرے میں ۱۸ لاکھ تربیت یافتہ سیوک ہیں جو ۲۵ ہزار شاخوں میں ۱۸۸۰۰ مقلات پر سرگرم عمل ہیں۔ (ملاحظہ ہو رابرٹ ایرک فرائی کن برگ کا مضمون Hindu Fundamentalism and Structural Stability of India جو امریکہ سے شائع ہونے والے فنڈا میٹلرم پروجیکٹ کی تیسری جلد Fundamentalism and the State میں شائع ہوا ہے۔ (یونیورسٹی آف شکاگو پریس، ۱۹۹۳ء ص ۲۳۳-۲۳۴)

آر ایس ایس کی اسی تحریک کے بطن سے تقسیم ہند کے بعد ڈاکٹر شیلما پرشلو کرجی کی قیادت میں بھارتیہ جن سنگھ وجود میں آیا۔ یہ نہرو کی مرکزی کابینہ میں وزیر تھے، انھوں نے تقسیم ملک کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور ۱۹۵۱ میں لیاقت نہرو معاہدے پر احتجاج کرتے ہوئے کابینہ سے مستعفی ہو گئے تھے۔ اس کی تشکیل میں آر ایس ایس کی پوری قیادت نے مرکزی کردار ادا کیا۔ یہی وہ جن سنگھ ہے جو اٹل بھاری واجپائی کی قیادت میں مرار جی ڈیسائی کے قائم کردہ جتنا دل کا حصہ بنا اور واجپائی صاحب، سنگھ کے دوسرے لیڈر کے اہل ایڈوانٹی کے ساتھ مرار جی ڈیسائی کی کابینہ میں شریک ہوئے (کل تین وزیر جن سنگھ کے تھے، اس اسمبلی میں سنگھ کی تعداد ۹۱ بیان کی جاتی ہے)۔ جتنا دل کی حکومت کے دو دور رہے۔ اس کے ناکام ہو جانے پر بھارتیہ جن سنگھ کو ختم کر دیا گیا اور اپریل ۱۹۸۰ میں بھارتیہ جتنا پارٹی کی شکل میں اس کا نیا جنم واقع ہوا جس نے ۱۹۸۳ میں دو دور ۱۹۹۸ میں ۱۷۸ نشستیں مرکزی اسمبلی میں حاصل کیں۔ اس کی متعدد صوبائی حکومتیں

پہلے سے قائم ہیں بشمول یوپی کی حکومت، جس کی قیادت میں بابری مسجد شہید کی گئی اور اب یہ پارٹی مرکزی حکومت کی قیادت کر رہی ہے۔ اس طرح یہ ایک ہی سلسلہ ہے جو کم از کم ۱۹۲۵ سے آج تک جاری ہے۔ اب اس کے فکری اور سیاسی موقف کی بنیادوں پر بھی ایک نگاہ ڈال لیں۔ فلسفیانہ سطح پر یہ ہندو تصور کائنات پر مبنی ہے اور نامیاتی وحدت (organic unity) کا قائل ہے۔ سیاسی اعتبار سے اس کے چار بنیادی اصول اور اہداف ہیں جن کا سمجھنا بہت ضروری ہے۔

پہلی چیز جو سب سے بنیادی ہے وہ اس کا تصور قومیت و اجتماعیت ہے جسے سلور کر کے خیالات کے خلاصے کے طور پر تحریک کے مفکر گولواکر (M.S. Golwalkar) نے اپنی کتاب 'We, Our Nationhood Defined' میں پیش کیا ہے اور جو آج بھی بی جے پی کا منشور اور اس کی حکمت عملی کی روح ہے۔ "ایک ملک، ایک قوم اور ایک کلچر" اس کا مرکزی تصور ہے۔ گولواکر کہتا ہے:

ہندستان کے غیر ہندو لوگوں کو ہندو کلچر اور زبان اختیار کرنا چاہیے، ہندو مذہب کا احترام کرنا اور اسے مقدس سمجھنا سیکھنا چاہیے، ہندو نسل اور کلچر کی عظمت کے علاوہ کوئی خیال انہیں نہ آنا چاہیے یعنی انہیں اس زمین اور اس کی قدیم روایات کے لیے نہ صرف اپنا عدم رواداری اور ناشکری کا رویہ ترک کرنا چاہیے بلکہ اس کے بجائے محبت اور وابستگی کا مثبت رویہ پرورش کرنا چاہیے۔ ایک لفظ میں کہا جائے تو انہیں غیر ملکی نہیں رہنا چاہیے۔ اس ملک میں ہندو قوم کی مکمل ماتحتی میں رہنا چاہیے۔ کسی دعوے کے بغیر، کسی استحقاق کے بغیر کہا یہ کہ کوئی ترقی پسند سلوک ہو، حتیٰ کہ شہری حقوق بھی نہیں۔ (مہاراجہ سوداشر گولواکر We, Our Nationhood Defined ناگپور، بھارت، پراکاش، ۱۹۳۹ء، ۱۹۴۷ء، ص ۳۲-۵۲)

گولواکر اور اس کتب فکر کی پوری قیادت مسلمانوں (اور اسی طرح عیسائیوں) کو غیر ملکی (foreigner) قرار دیتی ہے اور ان کے لیے زندہ رہنے کا واحد راستہ اپنے کو ہندو داتا کے رنگ میں رنگتے اور اس میں ضم ہو جانے میں قرار دیتی ہے۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کی حالیہ فتح پر لندن کے روزنامہ انڈی ہنڈنٹ کے نامہ نگار پیٹر پوپھام (Peter Popham) نے بی جے پی اور آر ایس ایس کے ذہن کی ترجمانی اس طرح کی ہے:

بی جے پی دوسری پارٹیوں کی طرح پارٹی نہیں ہے۔ یہ ۷۳ سال قبل قائم ہونے والی نیم فوجی تنظیم راشٹریہ سیوک سنگھ کا سیاسی بازو ہے۔ آر ایس ایس اپنی بہت اہمیت سمجھتی ہے۔ برطانوی دور کے آخری عشروں میں اس کا نشوونما ہندوؤں کے لیے وہ کچھ کرنے کی کوشش تھی جو اٹلی اور جرمنی کے لیے موسیقی اور ہنر کر رہے تھے: قومی استحکام اور نسل کو خالص رکھنے (purity) کے سہارے

دور کا آغاز، قوم کے دشمنوں کی شناخت اور انہیں بدنام کر کے قومی استحکام کا حصول، اور جہاں شمار نیم فوجی دستوں کے ذریعے ریاست پر قبضہ کرنے کا انتظام۔

آر ایس ایس کی ویب سائٹ (Website) کا اعلان ہے ”ایک وقت تھا کہ ہمارا ملک آزاد اور خوش حال تھا اور زندگی کے ہر میدان میں اعلیٰ مقام تک پہنچ چکا تھا۔ لیکن چند غیر ملکی حملہ آوروں کے ہاتھوں شکست خوردہ اور بے عزت ہو گیا۔ ”مسلم مسئلہ“ ہر وقت ذہنوں پر طاری رہا ہے۔ ہندوستانی آہلوی کی ”نی صد آہلوی کا کیا کیا جائے جن کی وفاداری لارڈ رانا سے نہیں، مکہ سے ہے۔ آر ایس ایس کا رہنما گولوا لکر جسے اب بھی صرف محروم کہا جاتا ہے، اس بارے میں نظر کے اپنے semitic مسئلے کے لیے رویے سے تحریک حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے ”اپنی قوم اور اس کے کلچر کو خالص رکھنے کے لیے جرمنی نے اپنی پوری آہلوی کا صفایا کر کے دنیا کو حیرت زدہ (shocked) کر دیا تھا۔ یہاں قومی افکار کا اعلیٰ ترین شکل میں اظہار کیا گیا۔ جرمنی کی مثل سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نسلوں اور تہذیبوں کے لیے جن کی اختلافات گہرے ہیں باہم جذب ہونا کتنا ناممکن ہے۔“ آر ایس ایس کے بنیادی عقائد برسوں سے ایک ہی ہیں۔ مسلمان اور دوسری اقلیتیں اب بھی آسیب کی طرح ذہن پر سوار (obsession) ہیں۔ (دی انڈی پنڈنٹ، لندن ۲۲

مارچ، ۱۹۸۸ 'India's New Rulers Enter With a Whiff of Fascism'

امریکہ کے رسالے نانم کا نمائندہ اپنی کتاب 'The Indian Unrest' میں لکھتا ہے:

گذشتہ ۲۰ برسوں کے ہندو احمیا کا پورا کا پورا رجحان مستقلاً مسلمان دشمنی پر مرکوز رہا ہے۔ مسلمانوں کو ہندو مذہب، تہذیب اور ثقافت میں ضم کر کے ان کی عملاً شدمی کرنا ہی ہندو و تاقی اصل ہے۔

آر ایس ایس، بھارتیہ جن سنگھ اور خود بھارتیہ جنتا پارٹی کے بنیادی مسلک کا دوسرا نکتہ بھارت کی وحدت کا قیام اور تقسیم ملک پر خطہ تہذیب پھیرنے کا پروگرام ہے۔ یہ پروگرام جن سنگھ کے منشور کا پہلا نکتہ ہے یعنی: اکھنڈ بھارت ہمارا سرلیہ حیات ہے (United India is our life blood)۔ البتہ بھارتیہ جنتا پارٹی نے اسے ذرا گھما پھرا کر بیان کیا ہے۔ پروفیسر ڈی ڈی پاتنائیک (D.D. Pattanaik) اپنی کتاب Hindu Nationalism in India کی جلد ۳ میں جن سنگھ اور بی جے پی دونوں کے لٹریچر کا جائزہ لینے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ دونوں بلاخر تقسیم ملک کو ختم کرنے اور بھارت کی ایکٹا قائم کرنے کا ہدف رکھتی ہیں۔ بات صرف پاکستان اور بنگلہ دیش ہی تک محدود نہیں بلکہ تمام ہمسایہ ممالک جو کبھی بھارت کا حصہ تھے وسیع تر ہندوستان (Greater India) کا ہدف ہیں۔ گوبی جے پی کے سلسلے میں اتنا اضافہ کرتا ہے:

سیاسی اتحاد قابل عمل نہ ہو، لیکن تدریجی لحاظ سے یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ بی جے پی کے سابق صدر ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی نے یہ بیان کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ پڑوس کے ان ممالک کا رضاکارانہ انضمام ہو سکتا ہے جو ماضی میں ہندستان کا حصہ تھے یعنی پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال، بھوٹان، برما اور سری لنکا۔ ("دی اسٹینڈرڈ" ۱۹ جنوری ۱۹۹۲ء بحوالہ کتاب مذکور، جلد سوم، ص ۱۳۹)

۱۹۹۰ میں بھارتیہ جنتا پارٹی نے جو ایکٹا مارچ سومتات سے کشمیر تک کیا تھا، اس کا مقصد بھی اسی ہدف کا اظہار تھا۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت کے بننے کے بعد اس کے سیکرٹری جنرل نے صرف ہی اعلان نہیں کیا کہ ہم پاکستان اور چین سے اپنے علاقے واپس لے لیں گے بلکہ جنوبی ایشیا کے ممالک کی کنفیڈریشن کی تجویز بھی پیش کی ہے۔ تحریک جمہیل پاکستان کے سربراہ محمود علی اور سردار عبدالقیوم نے اس خطرے کا برملا اظہار کیا ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں اکھنڈ بھارت کا قیام برعظیم کی سیاست کا ایک اہم ہدف بنتا جا رہا ہے جسے خود امریکہ کی تائید بھی حاصل ہو رہی ہے اور ملک میں بھی ایک لابی اس کے لیے سرگرم عمل ہے۔ (ملاحظہ ہو نوائے وقت سردار عبدالقیوم خان کا بیان۔ ادارہ اکھنڈ بھارت منصوبے کا انکشاف، یکم مارچ ۱۹۹۸ اور جنگ، راولپنڈی، ۷ مارچ ۱۹۹۸)

بھارتیہ جنتا پارٹی کے تصور ہند اور تصور قومیت اور پاکستان اور پورے علاقے کو ایک پار پھر کسی نوعیت کے اکھنڈ بھارت کی شکل دینا اور دنیا کے اس حصے پر بھارت کی بالادستی قائم کرنا وہ اولیٰ اور بنیادی مقاصد ہیں جن کے لیے اس تحریک نے گذشتہ ۷۵ سال سے کام کیا ہے اور ناموں اور تنظیموں کی تبدیلی کے باوجود ہدف یہی رہا ہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے ایک طرف علمی، سیاسی اور ثقافتی میدانوں میں کام ہو رہا ہے تو دوسری طرف ایک ایسی عسکری قوت تیار کی جا رہی ہے اور روایتی اور غیر روایتی اسلحہ بندی ہو رہی ہے جس کے بل پر بھارت پورے علاقے کا نگران بن سکے اور اس طرح صرف علاقائی نہیں کسی درجہ کی عالمی طاقت بن سکے۔

ان کے علاوہ دو مزید اصول بنیادی حیثیت کے حامل بیان کیے گئے ہیں۔ ایک آزاد منڈی پر مبنی سرمایہ دارانہ معیشت کا قیام جو برہمنی ساہوکارانہ تصور معیشت کا نمونہ ہو اور دوسری سووشی تصور خود کفالت کی ترویج جس کے نتیجے میں بین الاقوامی ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کا اثر و رسوخ کم ہو اور بھارتی تجارتی کمپنیوں اور ملٹی نیشنلزم کا فروغ ہو۔

یہ چار بنیادی نکات ہیں جن کے محور کے گرد آر ایس ایس اور بھارتیہ جنتا پارٹی کی پالیسیاں اور سرگرمیاں گردش کرتی رہی ہیں اور کریں گی۔ حالیہ انتہائی کامیابی کے بعد بی جے پی اور آر ایس ایس کی قیادت نے کھل کر اعلان کیا ہے کہ کھل اکثریت نہ ہونے کے باعث وہ مشترک ایجنڈے پر ضرور عمل کریں

کے لیکن پارٹی کا اصل ہدف منشور کے مطابق رہے گا اور وہ ایک پچیس سالہ منصوبے پر عمل پیرا ہوگی تاکہ بالاخود مکمل اقتدار حاصل کر کے اپنے حقیقی اہداف حاصل کر سکے۔

مشترک پروگرام کی خاطر بظاہر دستور کی دفعہ ۷۰ء کو ختم کر کے کشمیر کے مکمل انضمام اور مسلمانوں کے عائلی اور محضی قانون کو ختم کر کے مشترک سول کوڈ کے منشور میں کیے گئے دعووں کو موخر کیا گیا ہے اور اسی طرح بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی تعمیر کا ذکر اس پروگرام میں نہیں ہے لیکن اگر بھارتی قیادت کے بیانات کا تجزیہ کیا جائے اور خود مشترک ایجنڈے کو دیکھا جائے تو روپ بدل کر ان سب چیزوں کو بھی بین السطور محفوظ رکھا گیا ہے۔ مثلاً دستوری کمیشن کا قیام جو سارے دستور پر پچاس سالہ تجربات کی روشنی میں تجاویز دے گا۔ دفعہ ۷۰ء اور پرسل لا کا مسئلہ اس میں آجاتا ہے۔ رہا بابری مسجد کا مسئلہ تو وزیر اعظم واجپائی اور ان کے ساتھیوں نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ: ”عدالت اور قانون کا راستہ اختیار نہیں کیا جائے گا اور اس کی جگہ گفت و شنید اور اتفاق رائے سے حل نکالا جائے گا۔“ یہی رویہ ان ہلتی مساجد کے بارے میں اختیار کرنے کا اعلان کیا گیا ہے جو اس انتہا پسند قیادت کا ہدف ہیں یعنی ممتھر اور کاشی کی مساجد اور مزید دو ہزار مساجد جو اس خوبی ایجنڈے کا حصہ ہیں۔

جہاں تک نیوکلیئر آپشن اور آزاد کشمیر کو پاکستان سے ”آزاد“ کرانے کا تعلق ہے تو اسے نئی حکومت کے پروگرام میں کھلے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح چین پر دباؤ اور عالمی طاقت بننا اس ایجنڈے کا حصہ ہے۔ بھارت کی نئی قیادت کے ذہن اور عزائم کے بارے میں کوئی غلط فہمی اور خوش فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ مذاکرات جس سے چاہیں کریں لیکن یہ سمجھ کر کریں کہ کس سے کر رہے ہیں۔ اور اس کے عزائم اور پروگرام کے پورے ادراک اور اپنے مقاصد اور اہداف کے واضح شعور کے ساتھ کریں۔ دوسروں پر بھروسہ کرنے اور توقعات وابستہ کرنے میں ذرا احتیاط سے کام لیں اور خود اپنے ماضی کے تجربات کو نہ بھول جائیں۔ ان میں سے کچھ کا تعلق تو ابھی کل کے واقعات سے ہے جس کی آپ شکایت کرتے ہیں کہ: ”گجراں صاحب بڑے اچھے آدمی تھے مگر وعدہ کر کے مکر گئے“ اور بھارت کے خارجہ سیکرٹری نے اسلام آباد میں ایک بات کسی اور چند گھنٹے کے بعد دہلی پہنچ کر کچھ اور کہنے لگے۔ یہ صرف ایک دو بار کا معاملہ نہیں۔ پورے پچاس سال سے یہی ہو رہا ہے اور ہم ہیں کہ ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسے جا رہے ہیں اور مزید کے لیے بھی آمادہ ہیں۔

بھارتیہ جنتا پارٹی اور ہندو انتہا پسندی کے تاریخی کردار اور مختلف جنموں اور رویوں میں اس کے مشترک مقاصد کو سمجھ لینے کے بعد یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بھارت کے ۷۲ سالہ وزیر اعظم جناب اٹل بھاری واجپائی کے بارے میں صحیح انداز سے قائم کیے جائیں اور محض سنی سنائی باتوں پر خیالی قلعے تعمیر نہ

کیے جائیں۔ بلاشبہ ان کے بارے میں یہ روایت ہے کہ ”وہ ایک بری پارٹی میں ایک اچھے انسان ہیں“ یا یہ کہ وہ معتدل مزاج (moderate) ہیں۔ نیز یہ بھی کہ جب وہ وزیر خارجہ تھے تو پاکستان کی اس وقت کی قیادت ان کی خوش اخلاقی سے متاثر تھی۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ درست ہوں گی اور ہمارے پیش نظر بن کی شخصی زندگی کا جائزہ نہیں۔ گو اس بارے میں بھی ہندستان کے اخبارات اور وہاں سے شائع ہونے والی کتب، خصوصیت سے ان کے اپنے پارلیمنٹ اور کابینہ کے ساتھیوں کی یادداشتیں ایسی معلومات سے بھری ہوئی ہیں جن کا جاننا ان سے مذاکرات کرنے والوں کے لیے مفید اور ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے میں مددگار ہو گا۔

ہمیں سب سے پہلے یہ بات سامنے رکھنی چاہیے کہ ہم بلاشہادت کے دور میں سفارت کاری نہیں کر رہے، جہاں حکمران مطلق اختیارات کا حامل ہوتا ہے اور بہت کچھ انحصار اس کی ذاتی پسند و ناپسند پر ہوتا ہے۔ آج کا سیاسی نظام بالکل دوسری بنیادوں پر کلام کر رہا ہے۔ بھارت میں ایک کمزور مخلوط حکومت ہے جس کے ہر سانس کا انحصار ایک دو نہیں، ۱۸ سیاسی جماعتوں اور ان کی سہمہ صفت قیادتوں اور ان کے نت نئے مغالوت پر ہے۔ اگر ے ارکان پارلیمنٹ اوہر سے اوہر ہو جائیں تو حکومت زمین پر ہوگی۔ ایسی حکومت سے یہ توقع کہ وہ کوئی بڑا فیصلہ کر سکے گی یا اسے کشمیر جیسے بنیادی مسئلے پر کسی نئے اقدام (initiative) کی ہمت ہو سکتی ہے ایسی خوش فہمی ہے جس کی دوا نہیں دی جاسکتی۔

پھر واجپائی صاحب کی ”اصول پرستی“ اور ”معتدل مزاجی“ کے بارے میں صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ وہ بچپن سے جن سنگھ کے رکن بلکہ رکن رکیں رہے ہیں اور آج بھی اسے اپنی روح اور زندگی قرار دیتے ہیں۔ ان کے وزیر داخلہ انتہا پسندوں میں انتہا پسند کے ایل ایڈوانٹی اور ہیومن ریسورس کے وزیر شری مہلی منوہر جوشی، ایڈوانٹی صاحب سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ داخلہ اور انسانی وسائل کی وزارتیں ان دونوں کا اختیار اور متعصب ترین افراد کے پاس ہیں جو اس سے پہلے پارٹی کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ بی جے پی کے ۳۳ وزیروں میں سے ۹ کا انتخاب آر ایس ایس نے کیا ہے اور واجپائی صاحب کی ایک نہ چلی۔ ان کی بڑی خواہش تھی کہ جسونت سنگھ کو وزارت خزانہ دیں لیکن آر ایس ایس کی مخالفت کے ہاتھوں وہ مجبور ہو گئے اور بقول روزنامہ دی ایسین ایج (لندن و دہلی) ”وزیر اعظم واجپائی، وزیر خزانہ کے انتخاب کے سلسلے میں بالکل تیار رہ گئے اور ان کے نامزد شخص جسونت سنگھ کو بی جے پی میں سے ایک شخص کی بھی حمایت حاصل نہ ہو سکی۔“ (۲۱-۲۲ مارچ ۱۹۹۸)۔ آر ایس ایس کی ایسی مضبوط گرفت کی موجودگی میں ان کی ”اعتدال پسندی“ کس کلام آ سکتی ہے۔

پھر اس اعتدال پسندی کے طبع کو بھی زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں۔ تمام اہم مبصر گواہی دے

رہے ہیں کہ واجپائی صاحب کی حیثیت ایک دکھلے کی ہے۔ اصل قوت ان کے پاس نہیں، آر ایس ایس کے پاس ہے اور اسی کا حکم چلے گا۔

رہے واجپائی صاحب، تو اس دعوے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ خود انھیں کئی کئی روپ دھارنے اور موقع محل کے مطابق رنگ بدلنے کا ملکہ حاصل ہے۔ ان کے بارے میں کلیدیپ نیر کا مضمون: واجپائی صاحب کے دو چہرے (Two faces of Vajpayee, Dawn, March 28, 1998) اور ایشین ایج کا مضمون: واجپائی صاحب: پردہ کب اترے گا؟ (How long before the mask is off, Mr. Vajpayee?) (The Asian Age, Delhi and London 21 March, 1998) قائل مطالعہ ہیں۔ کلیدیپ نیر واجپائی صاحب کے اس مضمون کا خصوصیت سے ذکر کرتا ہے جو My Soul is the RSS کے نام سے واجپائی صاحب نے لکھا تھا۔ اس میں جناب واجپائی نے فرمایا ہے:

”ہم مسلمانوں کا مذہب نہیں بدلیں گے۔ وہ اپنا مذہب اپنائے رہیں۔ مکہ کو وہ ایک مقدس مقام سمجھتے رہیں مگر ان پر لازم ہو گا کہ وہ بھارت کی مقدس ترین حیثیت کو قبول کریں۔ وہ اپنی مسجدوں میں جائیں اور نماز پڑھیں اور روزے رکھیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر ایسا وقت آجائے کہ انھیں اسلام یا مکہ اور بھارت میں سے ایک کو چننا ہو تو بلا توقف بھارت کو چننے سے لگائیں۔ تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ ہم بھارت کی خاطر زندہ رہیں گے اور بھارت کے لیے جان قربان کریں گے۔“

واجپائی صاحب راشٹریہ سیک کے پروگرام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کے دو پہلو ہیں، اول: ہندوؤں کو منظم کرنا اور دوم: ایک ایسا مضبوط ہندو سماج تعمیر کرنا جو فکری لحاظ سے متحد ہو اور سطحی اختلافات سے بلند ہو کر اپنا پروگرام روبہ عمل لاسکے۔

کلیدیپ نیر صاحب لکھتے ہیں کہ: وہ آر ایس ایس کی پیداوار (product) ہے اور اس بارے میں کوئی شبہ نہیں کہ آر ایس ایس اس کے لبرل ایج کو طاعت حاصل کرنے کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ کلیدیپ نیر آر ایس ایس کے سہ روزہ مشورتی اجتماع کا بھی ذکر کرتے ہیں جس میں کہا گیا کہ ہم ۲۵ سال میں اپنے اصل اہداف حاصل کر لیں گے۔ آر ایس ایس کے جوائنٹ سیکرٹری مون داس کا بیان بھی دیا ہے جس نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ نہ ہم رام مندر کی تعمیر سے پیچھے ہٹیں گے اور نہ کانٹی اور متمر کے دعوے سے دست بردار ہوں گے۔ بات صرف اتنی ہے کہ ”وقتی طور پر“ اس پروگرام کو موخر کیا ہے اور خود واجپائی صاحب اس حکمت عملی میں شریک ہیں۔ وہ پارٹی کا منشور بناتے وقت ایک موقف اختیار کرتے ہیں اور عمل کے مشترک پروگرام کے وقت دوسرا، ان کا ایک نہیں دو چہرے ہیں۔ گویا:-

کس کا یقین کیجیے، کس کا نہ کیجیے
لائے ہیں ان کی بزم سے یار، خبر الگ الگ

وزیر خارجہ کی حیثیت سے واجپائی صاحب کے کردار کا بھی بار بار ذکر ہو رہا ہے۔ حتیٰ کہ جناب نواز شریف صاحب نے اپنے تشبہی خط تک میں اس کا ذکر کر ڈالا ہے۔ لیکن اس بات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ وہ اس وقت وزیر اعظم مراد جی ڈیسا کی کابینہ کے رکن تھے جنہیں بجا طور پر پاکستان کا اعلیٰ ترین سول ایوارڈ دیا گیا تھا۔ مراد جی ڈیسا ان ہندستانی قائدین میں سے تھے جنہوں نے تقسیم ملک کو دل سے قبول کیا تھا اور بیٹھ اس کا عملاً احترام کیا۔ انہوں نے روسی حکمران بریزنوف کی اس دعوت کو برملا رد کر دیا تھا کہ تم پاکستان پر حملہ کرو اور ہم ساتھ دیں گے۔ واجپائی صاحب اس کابینہ کے وزیر تھے جس میں اکثریت ان کے اصل خیالات سے اتفاق نہیں رکھتی تھی لیکن اب وہ اس بی جے پی کی سربراہی میں قائم حکومت کے وزیر اعظم ہیں جس کی اصل ٹیکل آر ایس ایس کے ہاتھ میں ہے۔

اس سلسلے میں کلدیپ نیر کے اس تبصرے کو بھی ذہن میں رکھا جائے تو مناسب ہو گا جو واجپائی صاحب کی دہری شخصیت پر روشنی ڈالتا ہے۔ کلدیپ نیر لکھتا ہے:

جس بات نے اسلام آباد کو ساکت (speechless) کر دیا وہ یہ بات تھی کہ اس نے کہا کہ جو کچھ اس نے ماضی میں کہا ہے اسے بھلا دیا جائے اس لیے کہ اس وقت وہ جن سگھ کا ممبر تھا اور اب جتنا پارٹی کا حصہ ہے۔ یہ دورہ انتہائی کامیاب رہا۔ کیا واجپائی کا حقیقی چہرہ سامنے آیا؟ یا اس نے حالات کی تبدیلی کے لحاظ سے اداکاری کی؟ ایک ہی وقت میں دو گھوڑوں پر سواری کرتے ہو سکتا ہے لیکن یہ حکومت کرنے کا طریقہ نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح واجپائی صاحب کے کردار کا وہ پہلو بھی سامنے رہنا چاہیے جو انہوں نے جن سگھ اور جتنا دل کو ملانے میں انجام دیا اور اس بنیاد پر یہ اتھارہ بنا کہ جن سگھ کا رشتہ آر ایس ایس سے مکمل طور پر منقطع کر دیا جائے گا۔ مشہور ہندستانی لیڈر جے پرکاش زائن نے بھی اس سلسلے میں کلیدی رول ادا کیا تھا اور بنیادی گفتگو اور معاہدے جے پرکاش زائن اور اٹل بہاری واجپائی ہی کے درمیان طے پائے تھے۔ لیکن آزمائش کی گھڑی آنے پر واجپائی صاحب کا کردار کیا تھا؟ کلدیپ نیر ہی کے الفاظ میں سنیں:

یہ گاندھی نواز جے پرکاش زائن تھا جس نے جن سگھ پر اپنا پورا اعتماد کیا اور اس کو جتنا کے ساتھ لے آیا۔ جب اس نے آر ایس ایس سے اپنے تعلقات نہیں توڑے تو اسے مایوسی ہوئی۔ اس نے یہ تک کہا کہ اس کو احساس ہوتا ہے کہ اسے دھوکہ دیا گیا ہے۔ بالآخر اس کلیدی مسئلے پر جن سگھ کے ممبر جتنا پارٹی سے واک آؤٹ کر گئے۔ واجپائی ان میں سے ایک تھا۔

جناپارٹی کے لیڈر سبوا منہم سوامی کی خود نوشت بھارتی اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔ اس سے کچھ اقتباس دہلی سے شائع ہونے والے ماہنامہ ”افکار ملی“ (اپریل ۱۹۹۸) میں آئے ہیں جن سے ان کی دوہری بلکہ تہری شخصیت کے متعدد پہلو رونما ہوتے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علاقائی سازشوں میں وہ کب اور کبھی مارول ادا کرتے رہے ہیں۔ اندرا گاندھی کی ایمر جنسی کی مخالفت کے باوجود معافی نامہ دے کر رہائی حاصل کرنے سے لے کر مرارجی ڈیسلٹی، چرن سنگھ اور جگ جیون رام کے ساتھ اقتدار کی جنگ میں کیا کیا کھیل کھیلا کیے۔ یہ تمام باتیں ان کی سیاست کے طریق و ادوات کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔ نیز جو بہت پاکستان کے لیے جانتا بہت بنیادی اہمیت کی حامل ہے وہ واجپائی صاحب کاروس کی طرف خصوصی جھکاؤ ہے (اور یہی بات ان کے وزیر دفاع جارج فریٹیز کے بارے میں مقول ہے)۔ نیز دونوں کو چین کے بارے میں شدید تحفظات ہیں اور یہی وہ چیز ہے جو ان کو امریکہ کے لیے قاتل قبول ہی نہیں بناتی بلکہ مستقبل میں علاقائی سیاست میں ایک خاص رول کی طرف اشارہ کرتی ہے جبکہ چین ہمارا سب سے قاتل احمق دوست رہا ہے۔ چین سے تعلق کے اس نازک پہلو کو نظر انداز کر کے واجپائی حکومت سے دوستی کی بات کرنا ایک خطرناک غلطی ہو گی۔

یہ ہے وہ بی جے پی اور اس کے وزیر اعظم جناب اٹل بھاری واجپائی جن سے دوستی کی چٹکیں بوجھانے کے لیے ہمارے وزیر اعظم اور ان کے ساتھی بے چین و مضطرب ہیں۔ بقول غالب۔

دیکھیے، پاتے ہیں عشاق جوں سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سل اچھا ہے

بھارت کے سیاسی تناظر کے اس جائزے کے بعد ایک نظر حکومت پاکستان کے موقف اور اس کی طرف سے کیے جانے والے اقدامات پر بھی ڈالنا ضروری ہے۔

پہلی بات جو سوچنے سمجھنے والے افراد میں اضطراب پیدا کرنے کا سبب بنی ہے وہ بھارت سے دوستی کا وہ شوق بے پایاں ہے جس کا مظاہرہ وزیر اعظم صاحب فروری ۱۹۹۷ میں برسر اقتدار آنے کے بعد سے موقع و محل سے بے پروا ہو کر فرما رہے ہیں اور بھارت کی طرف سے ہر تازیانے کے باوجود ان کے اس شوق اور اس کے اظہار میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ۔

بے خودی بے سبب نہیں غالب

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

بھارت کے وزیر اعظم، وزیر دفاع اور دوسرے قائدین برابر کہہ رہے ہیں کہ کشمیر پر کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی اور اگر ہوگی تو آزاد کشمیر کو پاکستان سے حاصل کرنے کے سوال پر ہوگی لیکن یہاں سے مذاکرات

مذاکرات کی رٹ برابر لگائی جا رہی ہے۔ بھارت میں کیسی بھی سرکار برسرِ اقتدار ہو، یہاں سے شوق جبہ سہلی میں کوئی کمی نہیں، بلکہ ادھر سے جتنا اجتناب اور اعراض و انفاض بڑھے ادھر سے شوق و اضطراب اور چاہت میں اتنا ہی اضافہ ہو رہا ہے۔ پھر یہ بات قائل ذکر ہے کہ گجرال کے وزیر اعظم بننے پر جو خط ہمارے وزیر اعظم نے لکھا تھا اس میں کشمیر کے مسئلے کو کلیدی مسئلے (core issue) کے طور پر بیان کیا گیا تھا مگر اب جو خط واجپائی صاحب کو لکھا گیا ہے اس میں کشمیر کا ذکر تو ہے مگر بحیثیت کلیدی مسئلے کے نہیں۔ اس سے آگے بڑھیں تو کلڈیپ نیر کو اپنے انٹرویو میں وزیر اعظم یہ سندیہ دیتے نظر آتے ہیں کہ بس کشمیر پر بات کرنے کا اظہار کر دو، بات کرو یا نہ کرو اور کتنی مدت تک بات کیے جاؤ، حاصل کچھ ہو نہ ہو، یہ سب قائل قبول ہے۔ کلڈیپ نیر لکھتے ہیں:

”کشمیر پر مذاکرات شروع ہو جائیں تو نواز حکومت کو اطمینان حاصل ہو گا۔ ان کے ذہن میں کوئی ٹائم فریم نہیں ہے۔ انہوں نے تین ماہ قبل اپنے انٹرویو میں بتایا تھا کہ کشمیر پر بات چیت شروع ہو جائے، اس کے بعد کتنا بھی وقت کیوں نہ لگ جائے میں اس کی پروا نہیں کروں گا۔ ان کی پوزیشن کم و بیش اب بھی وہی ہے۔ لیکن نئی دہلی میں نئی حکومت کے قیام کے بعد ہل کو رول دوں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان سے سوال کیا گیا کہ ان کی اس اپروچ سے فوج مطمئن ہو جائے گی تو انہوں نے کہا فوج کی مداخلت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ان کی طرف سے مجھ پر کوئی دباؤ نہیں۔ (روزنامہ خبریں، یکم مارچ ۱۹۹۸)

اسی بات کو وزیر خارجہ جناب گوہر ایوب صاحب نے کولمبو میں ہندستان کے اخبار کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے اس طرح بیان فرمایا ہے:

”کشمیر کا مسئلہ بالآخر (eventually) دونوں ملکوں میں بار بار مذاکرات کا موضوع بنے گا۔ بالآخر پر زور کا مطلب غیر معینہ مدت تک انتظار کے معنوں میں لیا جا سکتا ہے۔ گوہر ایوب نے کہا اگر بھارت کشمیر پر مذاکرات کو بلاکلیہ مسترد کرتا ہے تو پھر پاکستان کے لیے مذاکرات جاری رکھنا مشکل ہو جائے گا۔“ (دی ہندو، ۳ فروری ۱۹۹۸)

اس انٹرویو میں گجرال کے کچھ ”نئے خیالات“ کا ذکر کیا گیا ہے اور اس پس منظر میں گوہر ایوب صاحب دی ہندو کے نمائندے سے جناب نواز شریف کے واسطے سے وہ بات فرما دیتے ہیں جو پاکستان کے اصولی موقف پر ضرب کاری ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

”Mr. Ayub Khan quoted Mr. Sharif as having told Mr. Gujral further as follows: "If we (India and Pakistan) have to get lawyers to

interpret the very basis of certain agreements to sort the negotiations, where are we going to go? We (Pakistan) are not going to go there. It has to be a will to start the dialogue". (The Hindu, 7 Feb, 98)

گوہرا یوب نے بتایا کہ نواز شریف نے گجرات سے یہ بھی کہا ہے، اگر ہم (بھارت اور پاکستان) کو مذاکرات میں آگے بڑھنے کے لیے بعض معاہدوں کی تعبیر کے لیے وکلا کی مدد لینا پڑے، تو ہم کہاں جا رہے ہیں؟ ہم (پاکستان) وہاں نہیں جا رہے۔ مکالمہ شروع کرنے کے لیے ارادے کی ضرورت ہے۔ (دی ہندو، ۷ فروری ۹۸)

ایک طرف کشمیر کے مسئلے کی مرکزی اور اولیں پوزیشن پر سمجھوتہ، دوسری طرف (بھارت سے ۲۰ ارب روپے کے خسارے کی تجارت کے باوجود) تجارتی تعلقات بڑھانے کی بے چینی، سارک کانفرنس کے موقع پر وزیر اعظم کا دو سے تین سال میں ان ممالک کے free trade zone پر اتفاق کر لینا، ثقافتی اور تجارتی وفد کی بھرمار، وزیر اعظم صاحب کے صاحبزادے کا دورہ بھارت، بسنت جیسے ہندو تہوار کو نہ صرف پاکستان میں رواج دینا بلکہ اس موقع پر بھارت کے ثقافتی طائفے کا استقبال اور بار بار یہ دعویٰ کہ وزیر اعظم کو یہ سب کچھ کرنے کا کوئی مینڈیٹ حاصل ہے۔۔۔ یہ وہ تمام چیزیں ہیں جو پاکستان اور امت مسلمہ کے مقاصد اور مفادات سے صریح طور پر متصادم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود نوائے وقت، جس نے اس حکومت کی سب سے زیادہ تائید کی ہے، ان سب باتوں پر چیخ پڑا ہے اور اسے کہنا پڑا ہے کہ اس خطرناک کھیل کو لگام لگنی چاہیے۔ (ملاحظہ ہو صرف ایک مہینے میں آٹھ اوارے، یکم مارچ، ۳ مارچ، ۵ مارچ، ۶ مارچ، ۲۰ مارچ، ۲۷ مارچ، ۳۰ مارچ، ۳۱ مارچ)

صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکومت پاکستان کا رویہ ژولیدہ فکری، سمجھوتہ کاری اور اصولی موقف سے فرار کی راہیں تلاش کرنے کا غماز ہے۔ نہ قوم نے کسی حکمران کو اس انحراف بلکہ غداری کا مینڈیٹ دیا ہے اور نہ وہ اسے کسی قیمت پر برداشت کرے گی۔ یہ سلسلہ فوری طور پر ختم ہونا چاہیے۔ ورنہ ملک کو شدید اندرونی اور بیرونی انتشار سے بچانا مشکل ہو جائے گا۔

حکومت نے ایک اور مہم غلطی (Himalyan Blunder) کیمیکل ہتھیاروں کے معاہدے (Chemical Weapons Convention CWC) کی ضروری تحفظات کے بغیر توثیق کر کے کی ہے۔ یہ معاہدہ دراصل ساری دنیا پر مغربی اقوام کے تسلط کو قائم کرنے کے منصوبے کا ایک حصہ ہے۔ نیوکلیر سد جارحیت (deterrent) کی طرح کیمیکل ہتھیار بھی ایک نوعیت کے سد جارحیت کا رول ادا کرتے ہیں۔ محض اس لیے کہ بھارت اس پر تیار ہو گیا ہے اسے قبول کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ نیوکلیر اسلحہ کی طرح جس کے پاس کیمیاوی ہتھیار ہیں، پہلے وہ ان کو ضائع کرے نہ کہ دوسروں کے ہاتھ پاؤں

ہندسے۔ پھر بھارت نے حسب عادت دھوکے سے کام لیا۔ پہلے کہا کہ ہمارے پاس کوئی کیمیاوی ہتھیار نہیں ہے لیکن عین توثیق کے وقت کیمیاوی مواد کی موجودگی کا اعتراف کر کے اس کو بچا لینے کی کوشش کی۔ پھر اس کی کوئی کوشش نہیں کی گئی کہ جس طرح امریکہ CWC کے معاملہ میں پیش پیش ہونے کے ساتھ اپنے ملکی قانون کے ذریعے دو معاملات میں تحفظات حاصل کر رہا ہے یعنی معائنہ کی جگہوں کے سلسلے میں امریکی صدر کے انکار کا اختیار اور معائنہ کرنے والے ممالک کے بارے میں رد و اختیار کا حق۔ ہم بھی یہ اختیار حاصل کریں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ جو تحفظات امریکہ اپنے لیے حاصل کر رہا ہے ان سے دوسرے ممالک کو محروم رکھا جائے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ پچھلے کئی سالوں سے معائنہ کے حق کو بارہا غلط طور پر مداخلت اور تنگ کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ آج عراق میں بھی ہو رہا ہے اور کل دوسرے ممالک بھی اس کا نشانہ بن سکتے ہیں۔ بھارت اور اسرائیل یہ کھیل کھیل سکتے ہیں اور معاہدے کے آرٹیکل VI اور IV Verification Annex میں وہ سارے اختیارات موجود ہیں جن کو قتنہ جو غلط طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ ان کے خلاف تحفظ کم از کم ملکی قانون کی شکل میں ضروری تھا اور ہے۔

غوری میزائل کا تجربہ ایک بروقت اور قتل قدر اقدام ہے جس کی تحسین ہونی چاہیے۔ اس سے نیوکلیر سد جارحیت کو کھل اور مزید مستحکم کیا جا سکتا ہے۔ یہ وقت کی بڑی اہم ضرورت ہے لیکن اس خطرے سے پوری طرح آگاہ رہنے کی ضرورت ہے کہ امریکہ کی طرف سے نرم رد عمل کی قیمت سی ٹی بی ٹی پر دستخط کی شکل میں ادا کرانے کی ہر سازش کا بروقت توڑ کیا جائے۔

امریکہ اس پس منظر میں بھارت کو سی ٹی بی ٹی کی مشروط قبولیت کے لیے تیار کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور اسے یہ دلاسہ دیا جا رہا ہے کہ تم عملاً تو نیوکلیر پاور ہو، ۸۰ سے ۱۰۰ بم تم بنانے کی پوزیشن میں ہو اور بھارتی سائنس دانوں کے حالیہ دعووں کی روشنی میں ایک ہزار بم تک بنانے کا خام مواد موجود ہے۔ ان حالات میں امریکہ بھارت کو غیر سرکاری طور پر نیوکلیر پاور مان لے گا اور باقی ساری مراعات دے گا اگر وہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کر دے۔ اگر بھارت آمادہ ہو جاتا ہے تو پھر سارا دہلاؤ پاکستان پر ہو گا کہ اپنے وعدے کے مطابق دستخط کرو اور اپنی سولتوں کو معائنہ کے لیے کھولو، اس کی پیش بندی کی فوری ضرورت ہے۔ اس کا راستہ یہ ہے کہ ایک طرف میزائل پر تحقیق اور عملاً میزائل کو دفاعی نظام کا حصہ بنانے (Induction) کو آگے بڑھایا جائے اور دوسری طرف اتنی نیوکلیر استعداد پیدا کر لی جائے کہ کم از کم آئندہ بیس چھٹیس سال کے لیے بھارت کی حد تک مقابلے کا deterrent موجود رہے۔

اس وقت پاکستان کی اصل ضرورت بھارت سے مذاکرات یا تجارت نہیں بلکہ اپنے گھر کی اصلاح اور نظریاتی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور عسکری اعتبار سے ملک و قوم کو مستحکم کرنا ہے۔ نظریاتی انتشار کو ختم کرنے اور قومی مقاصد کے بارے میں یکسوئی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ امن و امان کی صورت حل کی

اصلاح اور سرحدوں کی حفاظت صرف فوجی کارروائیوں کے سلسلے ہی میں نہیں بلکہ تخریب کاری اور سنگت کے سدباب کے لیے بھی ضروری ہے۔ فوج کی تخفیف نہیں اس کی optimal rationalisation اور بہتر قوت کار (readiness) کا اہتمام کیا جائے۔ ایر فورس اور نیوی میں جو نسبتاً کمزوری (relative weakness) پیدا ہو چکی ہے، اس کا تدارک ہو۔ بیرونی قرضوں کے ری شیڈولنگ کے لیے کوئی تکنیک فوری طور پر تیار کیا جائے تاکہ وسائل، دفاع اور انسانی اور معاشی ترقی کے لیے فراہم ہو سکیں۔

بھارت سے صاف لفظوں میں کہہ دیا جائے کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں ہمارا اولیٰ اور اصل مسئلہ ہے۔ اگر اس مسئلے پر اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کشمیری عوام کی مرضی معلوم کرنے کے نظام کار پر بھارت بات چیت کے لیے تیار ہے تو چشم مارو، روشن دل ماشاؤ، ورنہ بھارت سے کسی نوعیت کے مذاکرات اور تجارتی اور ثقافتی تعلقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ بھارت کے تجارتی بلیکٹ کا آغاز خود اپنے ملک سے کیا جائے اور پوری دنیا کو اس کی دعوت دی جائے جیسا کہ لو آئی سی کی کراچی اور کیسابلانکا قراردادوں میں کہا گیا ہے۔ ثقافتی تعلقات، کھیل میں تعاون اور اسی نوعیت کے دوسرے نام نوا اہتمام کرنے والے اقدامات صرف ایک دھوکہ ہیں اور ہمیں صاف کہہ دینا چاہیے کہ کشمیر میں مظالم اور حق استعواپ سے محرومی کی صورت میں ان میں شرکت ایک باغیرت قوم کے لیے ممکن نہیں۔ قومی سلامتی اور دفاع کی مضبوطی کے لیے ہمہ گیر اقدامات کیے جائیں اور ملک میں عسکری، معاشی اور ثقافتی میدانوں میں خود انحصاری (self-reliance) کو اولیٰ اہمیت دی جائے۔ اس سے ہماری گفت و شنید کی استعداد اور قوت میں بھی اضافہ ہو گا اور ملک خود کفالت اور خوش حالی کی طرف بڑھ سکے گا۔

بھارت میں ہندو انتہا پرستی کے غلبے سے جو چیلنج خود بھارت کے لیے اور اس کے مسلمانوں کے لیے رونما ہوا ہے اور جو مسائل اور خطرات پاکستان اور دوسرے ہمسایہ ممالک کے لیے پیدا ہوئے ہیں ان پر سنجیدگی سے غور کرنے، ان کے مقابلے کے لیے صحیح منصوبہ بندی کرنے، ان کے سلسلے میں علاقائی اور عالمی رائے عامہ کو ہموار کرنے اور قومی اور بین الاقوامی سطح پر ان کا مقابلہ کرنے کے لیے حقیقت پسندانہ اقدامات کرنا وقت کی اصل ضرورت ہے۔ اس پورے عمل میں قوم کو اعتماد میں لینا اور اسے ہر مقابلے کے لیے تیار کرنا بھی از بس ضروری ہے۔ ان حالات میں بھارت سے دوستی کے خواب دیکھنا اور اس سراب میں پانی تلاش کرنا تحصیل لاج حاصل ہے۔ اس کی مثل اس شتر مرغ کی ہے جو خطرے کا مقابلہ کرنے کی بجائے ریت میں سرچھپا لیتا ہے۔ مردوں کا کلام مقابلے کی تیاری ہے اور یہ جان کر تیاری کرنا ہے کہ کس قسم کے مد مقابل سے سابقہ ہے۔ چیتا اپنی اصلیت کبھی نہیں بدلتا اور محض بھیڑ کی کھل اوڑھ لینے سے بھیڑیا بھیڑ نہیں بن جاتا۔ دوست دشمن میں تمیز اور دشمن سے مقابلے کی قوت پیدا کر کے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہات کرنا ہی زندہ قوموں کا شعار ہے۔